ڈاکٹر نجیب جمال

یگانہ ''جراتِ گفتار اور ہمت کردار'' کی مثال

Yagaana - An example of eloquent speaker and courageous character

Dr. Najeeb Jamal, Professor, Department of Urdu & Iqbaliyat, Dean, Faculty of Arts, Islamiya University of Bahawalpur, Pakistan.

Abstract:

Yagaana was a famous poet of lucknow, India who gave a new direction to Urdu poetry. This paper presents a study of Yagaana's poetry in relation to his personality and character. The paper also references the social trends of poet's era.
Yagaana's courageous character was his individuality; he kept on trying to bring society united. He quarreled with life but never had hatred for it. His poetry expresses the ups and downs of his life and uncovers his hidden personality traits. Knowing all this about Yagaana's character is the purpose of this paper.

سقراط اپنے آپ کو بڑمکھی (GADFLY) کہا کرتا تھا اس کے خیال میں ہر سوسائٹی میں بڑمکھی کو لازمی طور پر ہونا چاہیے جو لوگوں کو مسلسل کاٹتی رہے اور انھیں اپنی کم زوریوں، کجیوں اور کوتاہیوں کا احساس دلا کر اپنے گریبان میں جھانکنے اور غور وفکر پر مجبور کرتی رہے وہ اپنے دشمنوں سے بھی کہا کرتا تھا کہ ''کسی شخص کو اختلافِ رائے یا تنقید کے الزام میں قتل کر دینے سے کوئی سیاسی، یا معاشرتی عقدہ حل نہیں کیا جاسکتا۔ [۱]

یگانہ کی شخصیت، کردار اور ان کے خارجی ماحول کو سمجھنے میں سقراط کا قول بنیادی اشارہ فراہم کرتا ہے یہ امر واقع ہے کہ فن کار اپنی ذات کا بھرم قائم رکھنے کی سعی کرتا ہے اور اس حوالے سے اپنی انفرادیت کو چمکاتا ہے۔ یگانہ کا مزاج بھی لڑکپن ہی سے ایک خاص سانچے میں ڈھلتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ یگانہ ہی کے لفظوں میں ''غلامانہ ذہنیت سے میری طبیعت ہمیشہ نفرت کرتی رہی ہے جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے مجھے یاد نہیں آتا کہ کبھی غلامانہ ذہنیت کا مجھ پر غلبہ ہوا ہو یا کسی کے آگے جھکنے کا میلان پایا گیا ہو۔'' [۲]

یگانہ کے بیان اور ان کی زندگی کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے آخرِ عمر تک اپنی ''انا'' کی پرورش کی اور بزعم خود ان کا ذاتی جوہر چمکتا گیا۔ خودستائشی کا یہی وہ احساس ہے جس کی

بہتات کبھی کبھی تاریک راہوں میں مارے جانے کا سبب بنتی ہے۔ یگانہ کا فلسفۂ خود فضیلت اگر چہ اپنی ایک تاویل رکھتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کے خود ساختہ فلسفے کی روشنی میں ان کی شخصیت کا مطالعہ خود ان کی شخصیت کو مسخ کر سکتا ہے۔ یگانہ کو بجا طور پر جاننے کے لئے ان کی شخصیت کا مطالعہ ان کے لب ولہجے میں موجود ''جرات گفتار اور ہمت کردار'' سے ہونا چاہیے۔ یگانہ کی زندگی کے حالات و واقعات سے پتا چلتا ہے کہ اختلاف رائے کو اپنا حق سمجھ کر محفوظ رکھتے تھے اور جو بات ان کے دل ونظر پر چڑھ کر کھری رہتی تھی وہ اسے برملا کہنے میں ذرا بھی جھجک محسوس نہیں کرتے تھے شاید اسی لیے اپنے لہجے کی تندی کی وجہ سے انھوں نے ہمیشہ خسارے کا سودا کیا اور انھیں اختلاف رائے کے جرم میں اپنی زندگی میں کئی بار قتل ہونا پڑا تاہم وہ زندگی سے بھاگنے والوں میں سے نہیں تھے۔ ان کی طبیعت میں پیکار کا جوہر تھا اور وہ سقراط کی بڑ مکھی کی طرح تنگ نظری اور تعصّبات کی چست قبا پہننے والوں کو برابر کاٹتے رہے۔ یگانہ کا ایک شعر ہے:

''علاج اہل ہوس زہر خند مردانہ
ہنسی ہنسی میں تو ان احمقو ں کو ڈستا جا

اپنے اس رویے کی وجہ سے وہ انتظار حسین کے لفظوں میں 'فرقۂ ملامتیہ' کے آدمی نظر آتے ہیں۔''[۳]

یگانہ کو خود بھی اس بات کا احساس تھا کہ زمانے سے ان کی یا زمانے کی ان سے نبھ نہیں سکی اور اس کی بنیادی وجہ ان کے خیال میں یہ تھی کہ انھیں تمام عمر ایسے ''ناموافق ونامساعد حالات'' کا سامنا رہا جن میں زندگی کرنا اتنا آسان کام نہیں تھا۔ یگانہ کا ایک دکھ یہ بھی تھا کہ وہ زمانے کے ہاتھوں بری طرح نظر انداز کئے گئے تھے۔ ایک وقت میں تو عدم قبولیت اور عام ملامت نے انھیں بے توازن بھی کر دیا تھا اور وہ اپنے تئیں 'خاصۂ خاصان ادب' لکھنے لگے تھے۔ تاہم یہ بھی درست ہے کہ یگانہ مستقبل کو ایک ایسی کسوٹی سمجھتے تھے جس پر وہ اور ان کا فن کسا جائے گا۔ ''اپنا کریکٹر'' کے تحت انھوں نے تفصیل سے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ان کے خیال میں شاعر اپنے زمانے سے بہت پہلے پیدا ہوتا ہے اور مخالف ماحول میں زندگی بسر کرتا ہے اِس لیے مشکلوں کا شکار رہتا ہے۔ اس کا زمانہ تو بہت دنوں بعد آتا ہے۔

یگانہ کی شخصیت کا مطالعہ دراصل ایک مضطرب اور بے چین روح کا مطالعہ ہے۔ ان کی زندگی میں اگر طمانیت اور فراخی کا ایک لمحہ تلاش کیا جائے تو مایوسی ہوتی ہے۔ ابتدا میں وہ علاج کی غرض سے اور پھر تلاش معاش کے سلسلے میں عظیم آباد سے لکھنؤ آئے۔ یہاں کا رِجہاں دراز تھا اور اپنی دنیا آپ پیدا کرنے

کی دعوت دے رہا تھا۔ یگانہ لکھنؤ والوں کی اجتماعی نفسیات سے آگاہ نہیں تھے۔ درحقیقت لکھنؤ کے لوگ باہر سے آنے والوں کے لیے اپنے اندر کشادگی نہیں رکھتے تھے۔ لکھنؤ آنے کے بعد یگانہ بالا ہتمام مشاعروں میں شریک ہونے لگے مگر انھیں متوقع پذیرائی نہ مل سکی۔ یہاں انھیں معروضات کی نئی نئی اشکال کا ادراک ہونے لگا۔ لکھنؤ میں قیام کے آغاز ہی سے نظرانداز کیے جانے کی حکمت عملی کا شکار ہو کر ان کی شعری صلاحیتیں تضاد اور تصادم کی فضا میں پروان چڑھنے لگیں۔ مغل ہونے کے ناتے سے کسی کے آگے سر نہ جھکانا ان کا طبعی خاصہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یگانہ اور شعرائے لکھنو کے درمیان اجنبیت اور مغائرت کی دیوار اُٹھ گئی جو رفتہ رفتہ بلند ہوتی گئی۔ اور یوں ادبی اختلاف نے بہ تدریج ذاتی کشیدگی اور تنازع کی صورت اختیار کر لی۔

یگانہ جس طرح لکھنؤ کے بااثر علمی و ادبی حلقے سے الگ کر دیے گئے تھے اس نے ان کی انا پسند طبیعت میں جولانی پیدا کر دی اور وہ انتہا پسند ہوتے چلے گئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پھر یکے بعد دیگرے محاذ کھلتے چلے گئے۔ یگانہ اکیلے ہونے کے باوجود ہر محاذ پر ڈٹے رہے اور ان کے رویے میں شدت آتی چلی گئی تاہم یہ شدت شعرائے لکھنؤ کے اجتماعی رویے کے سامنے بے حد معمولی معلوم ہوتی ہے۔ اسی اجتماعی یلغار نے ایک صاحبِ مطالعہ شخص کی تنقیدی صلاحیتوں کو دبا کر اس کے ہاتھ میں کند، ہتھیار تھما دیا تھا جس نے اس کے انتقامی رویے کو بے بسی کا عبرت انگیز تماشہ بنا دیا۔ تاہم غنیمت ہوا کہ یگانہ کے اندر جلنے والا الاؤ ان کے شعر میں ''آتش سیال'' بن گیا۔

یہ درست ہے کہ نقادوں نے جو یک طرفہ اور جانب دارانہ رویہ یگانہ کی شخصیت اور شاعری کے بارے میں روا رکھا اس کی ذمہ داری خود یگانہ پر بھی عاید ہوتی ہے تاہم لکھنؤ کی سوسائٹی کے اخلاقی اور شعری معیاروں کو بھی دیکھنا چاہیے کہ جس کے اوزان کچھ اس طرح ترتیب دیئے گئے تھے کہ ان میں ترمیم کی گنجائش ہی نہیں رکھی گئی تھی، کجا یہ کہ کوئی باہر سے آ کر ان معیاروں میں تبدیلی کی جسارت کرے۔ یگانہ کا قصور بھی یہی تھا کہ ان کی ذات پورے سماج کے مقابل آ گئی تھی۔ ان کا سامنا ایک نرگسی سماج سے تھا۔ لکھنؤ کی ادبی اور ثقافتی فضا پر لکھنؤ کے شعرا کا تسلط تھا اور اس پر یگانہ پر بھاری ہونے کا ٹھپہ لگا ہوا تھا۔ شعرائے لکھنؤ کو زبان کے معاملے میں کسی اور علاقے کی لسانی سند کی ضرورت نہیں تھی پھر بھلا یگانہ کون ہوتے تھے زبان کی غلطیوں کا شمار کرنے والے اور عروض و قواعد کی گردان کرنے والے چناں چہ ان کے خلاف ایک باقاعدہ محاذ بن گیا۔ یگانہ تو پہلے ہی اپنی افتادِ طبع کے تابع تھے۔ ان کے مزاج میں جھکنے کا عنصر سرے سے ہی ناپید تھا یوں ان کی ذات میں انا کے جوہر کا ارتفاع ہوا جس نے رفتہ رفتہ خود پسندی

اورخودستائشی کی راہ اختیار کی اور انھیں اظہارِ فضیلت پر اکسایا۔ یگانہ کی بڑھی ہوئی انانیت دراصل ''مثالی انا'' (EGO IDEAL) کی ایک شکل تھی جس کے بارے میں فرائیڈ نے لکھا ہے۔

"A man when he can not be satisfied with his ego itself may nevertheless be able to find satisfaction in the ego ideal which has beendeferentiated out of the ego" ۴

یگانہ کے یہاں الفت ذات کا پہلو تعلّی کی حد سے بھی کچھ بڑھا ہوا دکھائی دیتا ہے تو اس کا سبب ان کے معاشی حالات، سماجی تحریمات (TABOOS)، حریفوں سے لڑائی، ناقدریٔ زمانہ، زعمِ فن، زبان دانی پر فخر اور تقاضۂ فطرت ہے جو شخصیت اور انا کی نشوونما میں عمل انگیز (CATALYST) کا کام کرتے ہیں۔

لکھنؤ کی پوری تہذیب ہی نرگسی تہذیب تھی جس کی تشکیل میں سماجی، اقتصادی، تاریخی، نفسی وجنسی نوعیت کے بہت سے عوامل کارفرما تھے اور شاید یہ برصغیر کا اکلوتا سماج تھا جو اجتماعی طور پر خود نگر تھا۔ یوں جب ایک انانیت پسند شخص نے ایک نرگسی سماج کے دامن کو حریفانہ کھینچا تو پورے ماحول میں ارتعاش پیدا ہو گیا۔

یگانہ اس امید کے ساتھ لکھنؤ آئے تھے کہ یہاں روزگار کے مواقع بھی زیادہ تھے اور شعروادب کا میدان بھی کشادہ تھا مگر جب وہ مشاعروں میں شریک ہوئے اور کلام سنایا تو داد سے زیادہ بے داد پائی۔ ضیا عظیم آبادی کے لفظوں میں:

''مذاق اڑانے والوں کی تعداد اتنی بڑھی کہ صحیح قدردان بھی گم ہو گئے ان کا اعتماد متزلزل ہو گیا اور سچائی سے بھی ان کے شعر کی کوئی داد دیتا تو وہ مشکوک ہو جاتے تھے یا یہ سوچنے لگتے تھے کہ اتنا بالغ نظر بھی کوئی ہے۔'' ۵

یوں یگانہ کے اندر شعور، احساس اور جبلت کی کشاکش نے رفتہ رفتہ اتنا زور پکڑا کہ ایک وقت میں تو (گو یہ وقت بہت بعد میں آیا) ایمان اور اقدار کی عمارت بھی ڈھیر ہو گئی۔ یگانہ کو اپنے رویے اور اپنے تصورات کے پرچار کی قیمت بے روزگاری، معاشی تنگ دستی اور تنہا رہ جانے کی صورت میں ادا کرنا پڑی اور یوں ان کی ذات سماجی ہنگام اور اجتماعی مغائرت کی بھینٹ چڑھ گئی جس کے ردعمل میں ان کی ذات میں موجود خود پرستی کے رجحانات قدم قدم پر دوسروں کی نرگسیت سے متصادم ہوتے رہے۔ بعد میں جس طرح یگانہ اظہار فضیلت کرتے رہے وہ سب دراصل ان کے حالات کار دِعمل اور ان کی مزاحمت کا ایک انداز تھا۔ جس میں غیر ضروری شدت پیدا ہوتی چلی گئی تھی۔

ڈاکٹر وزیر آغا کا یہ تجزیہ درست ہے کہ:

''کسی احساس کمتری کے تحت یگانہ تحفظ ذات کے عمل میں مبتلا ہوا اور اس نے خود کو نمایاں کرنے کی کوشش کی۔''[۶]

یگانہ کی خودنمائی کی سب سے واضح مثال 'آیات وجدانی' کے محاضرات ہیں جنھیں یگانہ نے مرزا مراد بیگ شیرازی کے بھیس میں لکھا۔ متوقع طور پر محاضرات پر سخت ردعمل ظاہر ہوا۔ یہاں تک کہ یگانہ کے بعض مداحوں نے بھی اس بدمذاقی کا نوٹس لیا۔ 'نیرنگ خیال' لاہور کا تبصرہ نگار لکھتا ہے۔ ''ہمیں بار بار افسوس آتا ہے کہ یہ محاضرات 'یاس' کے پاکیزہ کلام پر دھبہ لگا رہے ہیں اور اس طرح 'آیات وجدانی' کا نقاد کتاب کے بیشتر حصہ کو برا کہہ کر مجبوراً 'یاس' پر حرف گیری کرنے کا مجرم بنتا ہے۔''[۷]

یگانہ کے قدردان تو موجود تھے مگر یگانہ نے جس طرح اپنی شاعری کو محاضرات کے فریم میں جڑنے کی کوشش کی اس نے مذاق سلیم کو بری طرح متاثر کیا تاہم جب ان کے عزیز دوست مالک رام نے یگانہ کی توجہ اس جانب مبذول کرائی تو یگانہ نے جواب دیا ''آئندہ ایڈیشن میں اسے حذف کرادوں گا۔''[۸]

چناں چہ جب ۱۹۳۴ء میں یگانہ نے ''آیات وجدانی'' کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا تو محاضرات حذف کردیے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یگانہ کلی طور پر غیر لچک دار رویہ کے حامل نہیں تھے بدقسمتی سے ان کی خاطر خواہ پذیرائی کرنے والے بہت کم لوگ تھے اتنے کم کہ چہرے پہچاننے کے لیے انھیں لالٹین کی ضرورت پیش آتی تھی۔[۹]

شعرائے لکھنؤ کے مخاصمانہ رویے نے ہی یاس عظیم آبادی کو یگانہ لکھنوی بنا دیا تھا۔ ویسے بھی ''یاس'' ہونا ان کے اوصاف ظاہری و باطنی سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ان کی خود پرستی نے ''خبط عظمت'' کا روپ دھار لیا اور انھوں نے اپنا سلسلہ نسب چنگیز خاں سے جوڑ کر مزاج میں مقدور بھر چنگیزیت کو شامل کرلیا۔ ۱۹۳۳ء میں یگانہ نے ''ترانہ'' شائع کیا تو اس کے آخر میں انھوں نے ''مزاحیہ'' کے عنوان سے چند رباعیاں شامل کیں جن میں غالب کی ہجو کی گئی تھی دراصل انھوں نے اپنے ''ماحول کے مکروہات و خرافات سے ٹکر لینے کے لیے اپنی داخلی آویزشوں کو مرتفع کر کے غالب پر مرکوز کر دیا تھا اور ان کا یہ غالب اسد اللہ خاں غالب نہ ہو کر ایک مجموعی نام تھا ان کے حریفوں کا۔''[۱۰]

ان رباعیوں کے ردعمل میں یگانہ کی مخالفت لکھنؤ تک محدود نہ رہی بلکہ اطراف ہندوستان میں پھیل گئی۔ ۱۹۳۴ء میں ''ساقی''، دہلی کے اپریل اور مئی کے شماروں میں یگانہ کے خلاف مضامین، خطوط اور

کارٹون شائع کیے گئے جس کے نتیجے میں وہ ''یگانہ چنگیزی'' سے ''غالب شکن'' بن بیٹھے مگر پھر آہستہ آہستہ یہ طوفان بھی تھم گیا اور جب یگانہ نے ''آیات وجدانی'' کا تیسرا ایڈیشن (۱۹۴۶) شائع کیا تو اس میں شامل محاضرات کا لب ولہجہ نسبتاً دھیما اور متعدل تھا خصوصاً غالب کے بارے میں وہ شدت باقی نہیں رہی تھی جو آیات وجدانی، طبع اوّل کے محاضرات ''غالب شکن'' طبع اول اور ''غالب شکن'' دو آتشہ میں تھی۔ اس عرصے میں وہ پنجاب میں فروغ پانے والی آزاد نظم کے خلاف برسر پیکار نظر آتے ہیں۔ غالب کی مثل کا داخل دفتر کیا جانا[۱۱] یگانہ کی ذہنی فعالیت کی دلیل ہے۔

یگانہ کے بارے میں شاید سب سے بڑی غلط فہمی یہ ہے کہ وہ غالب کے سخت دشمن تھے۔ یہ درست ہے کہ ایک زمانے میں ان کی ہر بات غالب کی تنقیص سے شروع ہوتی تھی اور اسی پر تان ٹوٹتی تھی مگر ان کا یہ رویہ مستقل نہیں تھا محض حالات کا ردِعمل تھا۔ یہ حالات ہی تھے جو ہمیشہ ان کے لیے ناموافق رہے اور وہ اپنے زخم سہلاتے سہلاتے اذیت پسند ہو گئے تھے تاہم وہ طبیعتاً ایذا پسند نہیں تھے۔ وہ تو ''اپنی ذات کا چراغ جلائے ہوئے اس کی مدہم روشنی میں اپنے آپ کو پوج رہے تھے۔''[۱۲]

اسی رویے نے ان کی خود پسندی کو بڑھاوا دیا اور انھوں نے صوفی کی طرح اپنی خودی کو مٹانے کے بجائے اپنے آپ کو ''دی آرچ آرٹسٹ آف انڈیا'' ابوالمعانی، امام الغزل اور علیہ السلام سمجھنا شروع کر دیا۔

یگانہ کی ''انفرادی انا'' کی انتہائی صورت ان کی چنگیزیت تھی جو ان کے راستے کا بھاری پتھر ثابت ہوئی اور جس کے سبب انھوں نے اپنے آپ کو مٹانے کا خود ہی بندوبست کر لیا تھا تاہم یگانہ مٹنے اور گرنے میں امتیاز قائم کر کے زمانے کے جبر اور اپنے اختیار کا تقابل کرتے رہے:

زمانے پر نہ سہی دل پہ اختیار رہے
دکھا وہ زور کہ دنیا میں یادگار رہے

خود ان کی اپنے بارے میں یہ رائے رہی کہ ''اپنے تئیں (گرانا نہیں) مٹانا میرزا یگانہ کی پرانی عادت ہے۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے تئیں مٹاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کہاں تک مٹتے ہیں۔''[۱۳] یگانہ مٹنے کا ذکر بھی دم خم کے ساتھ کرتے ہیں ان کے جسم میں طاقت نہ سہی لفظوں میں طاقت ضرور ہے۔ خود یگانہ کا لفظ چہرہ نما ہے جس میں شخصیت (DERSONA) بھی موجود ہے اور برتاؤ (BEHAVIOUR) بھی۔

یگانہ کی بیگانہ روی کا بھی بہت چرچا ہے خود یگانہ نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

شہرہ ہے یگانہ تری بیگانہ روی کا
واللہ یہ بیگانہ روی یاد رہے گی

ڈاکٹر فاخر حسین نے یگانہ کی بیگانہ روی کا تجزیہ کرتے ہوئے درج ذیل محرکات کا ذکر کیا ہے۔

(۱) سخت مزاجی کے باعث اپنے ماحول سے منسلک نہ ہونا۔

(۲) اس کے باعث طبیعت میں تلخی کا عود کر آنا۔

(۳) یوں مجموعی طور پر جھنجھلاہٹ بلکہ جارحانہ رجحان کا ابھر آنا۔

ڈاکٹر فاخر حسین کے مطابق انھوں نے بارہ سال کی عمر میں ''آیات وجدانی'' کو پڑھا تھا۔ اس وقت تو بہت سے طوفان ساحل سے ٹکرا کر ٹھنڈے پڑ چکے تھے۔ یگانہ حیدرآباد جا چکے تھے۔ لکھنؤ میں ان کی آمد سے لے کر اودھ اخبار کی ملازمت سے برطرفی تک اور پھر تلاشِ معاش میں نگر نگر پھرنے تک کشمکش اور تناؤ کی ایک طویل کہانی ہے۔ ڈاکٹر فاخر حسین کا یہ کہنا بھی حالات و واقعات سے ناواقفیت کی بنا پر ہے کہ ''یگانہ تو اپنی ناراضی کا اظہار برملا کرتے رہے جب کہ لکھنؤ کے شعرا اپنی بے زاری کا اظہار انھیں نظر انداز کر کے دیتے رہے۔'' [۱۵]

راقم کے خیال میں ڈاکٹر فاخر حسین مشاعروں میں یگانہ کے بارے میں پڑھی جانے والی، ہجووں اور لکھنؤ میں منعقد ہونے والے مشاعروں میں یگانہ کے مقاطعے اور عمر کے آخری حصے میں سربازار رسوا ہونے کے ذہنی اثرات سے واقف ہوتے تو ان کا تجزیہ مختلف ہوتا اور انھیں یہ اندازہ لگانے میں مشکل پیش نہ آتی کہ یگانہ کے لیے لکھنؤ، محلہ شاہ گنج اور بعد میں ٹاپے والی گلی (سلطان بہادر روڈ) میں کیوں سمٹ کر محدود ہو گیا تھا۔ نظیر صدیقی یگانہ کو پیش آنے والے تمام حالات و واقعات کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

''تعصب اور حسد کی ساری قوتیں ان کے خلاف صف آرا تھیں جس کا نتیجہ یہ تھا کہ انھیں اپنی جگر کاویوں کے صلے میں تعریف و تحسین کے بجائے قدم قدم پر تضحیک و توہین کا سامنا کرنا پڑا۔ انھیں جیل خانے بھجوانے کی کوشش کی گئی ان کے ذریعۂ معاش پر حملہ کیا گیا جو کامیاب رہا۔ ان کے والدین کو منظوم گالیاں دی گئیں۔ ان کے قدردانوں پر آوازے کسے گئے۔ مہذب محفلوں میں ان کے سامنے ان کی ہجو پڑھی گئی اور بہ قول راوی پڑھنے والے نے کڑک کڑک کر ہجو پڑھی اور سننے والوں نے لہک لہک کے داد دی۔ مشاعروں میں ان کا بائیکاٹ کیا گیا یہ سب کچھ لکھنؤ میں ہوا جو تہذیب و شائستگی کا مرکز رہا ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں کہ لکھنؤ کے سٹیج پر یگانہ کی توہین و تذلیل کا ڈراما ہوتا رہا بلکہ اس ڈرامے کو وہاں کے سنجیدہ اور بااثر حضرات خاموش تماشائی کی حیثیت سے دیکھتے رہے اور اس وقت بھی دیکھتے رہے جب یہ ڈراما اپنے نقطۂ عروج پر پہنچا یعنی یگانہ کو ان کی زندگی کے آخری دور میں جوتوں کا ہار پہنا کر اور ان کے منہ پر

کالک لگا کر شہر میں ان کا جلوس نکالا گیا۔'' ۱۶

یگانہ دنیا کی دشنام طرازیوں کو ہنسی سے اڑا دینے کے فن سے ناواقف، تحمل اور حس مزاح سے بہت حد تک نا آشنا تھے نتیجہ ظاہر ہے کہ غم و غصے کی تلخی نہ صرف ان کے ذہن تک پہنچی بلکہ رگ و پے میں سرایت کر گئی۔ یگانہ کا ایک شعر ہے:

شربت کا گھونٹ جان کے پیتے ہیں خونِ دل
غم کھاتے کھاتے منہ کا مزہ تک بگڑ گیا

تاہم باوجود اس رویے کے ان کے یہاں زندگی سے بے رغبتی، نفرت یا مرگ پسندی کا رجحان پیدا نہیں ہوا بلکہ جینے کی اُمنگ نے اُن سے ایسے اشعار کہلوائے جو تشکیک کے بجائے زندگی پر ان کے یقین اور اعتماد کے مظہر ہیں۔ ان اشعار میں ان کی وہی مردانہ شخصیت غالب ہے جو عزم اور پامردی جیسے عناصر رکھتی ہے اور جس کے بارے میں ڈاکٹر محمد صادق لکھتے ہیں:

"The foremost quality of his mind is strength. Firm, resolute, even stubborn and unbending in life, he is no less so in poetry." ۱۷

چند اشعار دیکھیے:

دنیا سے یاس جانے کو جی چاہتا نہیں
واللہ کیا کشش ہے اس اجڑے دیار میں
غضب کی دھوم شبستان روز گار میں ہے
کشش بلا کی تماشائے ناگوار میں ہے
منزل کی دھن میں آبلہ پا چل کھڑے ہوئے
شورِ جرس سے دل نہ رہا اختیار میں
چلے چلو جہاں لے جائے ولولہ دل کا
دلیلِ راہِ محبت ہے فیصلہ دل کا

ان اشعار سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یگانہ دنیا کو لائق تمنا اور شایان آرزو سمجھتے تھے۔ وہ طبعاً تنہائی پسند یا مردم بے زار نہیں تھے البتہ مروم گزیدہ ضرور تھے۔ تنہائی کا عذاب بھی اسی سبب سے تھا چناں چہ زندگی کے بارے میں ان کے طنز آمیز یا تمسخر آمیز رویے کے پیچھے حالات کے ڈسے ہوئے ایک فرد

کی سوچ ملتی ہے جسے عام طور پر ان کے غم و غصے کے اظہار پر محمول کیا جاتا ہے مثال کے طور پر ان کے ایسے اشعار:

انوکھی معرفت اندھوں کو حاصل ہوتی جاتی ہے
حقیقت تھی جو کل تک آج باطل ہوتی جاتی ہے
خدا کے سامنے دامن پسارنے والے
وہ ہاتھ تھک گئے کیا مال مارنے والے

یہ واقعہ ہے کہ شاعری میں نسبتاً کھرے، غیر متغزلانہ اور کسی قدر تلخ لہجے کے باوجود یگانہ ایک مخصوص لحن رکھتے تھے حامد علی خاں نے 'نشتر یاس' (صفحہ و) کے دیباچے میں، مجنوں گورکھپوری نے 'غزل سرا' (صفحہ ۲۷۶) میں، مالک رام نے ''وہ صورتیں الٰہی'' (صفحہ ۱۴۰۔۱۴۱) میں، مرزا جعفر حسین نے 'ادبیات و شخصیات' (صفحہ ۹۰۔۹۱) میں، صبا اکبر آبادی نے 'تخلیقی ادب (۴)، (صفحہ ۲۴۴) میں اور رام لعل نے خبر نامہ اتر پردیش اردو اکادمی بابت ماہ جنوری فروری ۱۹۸۵ (صفحہ ۱۴) میں یگانہ کے مترنم لحن اور ان کی ایک ایک ادا اور ایک ایک انوٹ کی تفصیلات درج کی ہیں۔ مرزا جعفر حسین لکھتے ہیں ''ان کا انداز یہ تھا کہ وہ خود وجد میں آ کر لحن سے اپنی غزل سناتے تھے۔ ان کی آواز میں گداز تھا اور ایک مخصوص دھیمی گرج کے ساتھ فطری ترنم تھا کچھ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ ہمہ تن شعریت ہیں۔ پہلے مصرع کو عموماً دو مرتبہ پڑھتے اور دوسری مرتبہ اس طرح جھوم کر پڑھتے کہ مصرع کا اثر دو آتشہ ہو جاتا تھا۔ مجمع کو مسخر کر لیتے اور اپنا وجد دوسروں پر بھی طاری کر دیتے تھے۔ وجدانیت اور محویت سامعین پر چھا جاتی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ زیادہ تر ہر مشاعرہ لوٹ کر اٹھتے تھے۔ راقم نے یاس سے بہتر کسی کو غزل پڑھتے نہیں سنا یہ وہ ہنر تھا جو ان کے ساتھ ہی ختم ہو گیا۔ وجدان کی جگہ اب غنائیت نے لے لی لیکن وہ بات کہاں کہ شعر کی معنویت اور اس کی خوبیاں طرز ادا کے بل بوتے پر سننے والوں کے دل و دماغ میں اتر جائیں۔'' [۱۸]

یہ دونوں باتیں بالکل متضاد معلوم ہوتی ہیں کہ ایک طرف تو زہر خند اور طنز منتہی کا انداز اور دوسری طرف مترنم لہجہ اور جذب کی کیفیت۔ چنانچہ توقف کرنا چاہیئے کہ جس شخص کے لہجے کی حلاوت کا ایک زمانہ قائل رہا ہو اس کے دہن کی کڑواہٹ اس کے بولوں میں گھلنے کی یقیناً کوئی تو وجہ رہی ہوگی۔

یگانہ ابتدا میں واجبی خود شناسی کے حامل تھے مگر حالات کی مستقل ناسازگاری کی وجہ سے اسی واجبی خود شناسی نے رفتہ رفتہ خود نگری اور خود پرستی کی صورت اختیار کی اور وہ ذات اور حالات سے اوپر اُٹھنے کی کوشش میں اپنی حد سے گزر گئے۔ 'انا' کی جنگ میں شکست و ریخت ان کا مقدر رہی جس کی وجہ سے ان

کے یہاں جبر کے مضامین نے اہمیت اختیار کی اور نتیجہ کبھی جذباتی بحران تو کبھی ذہنی انتشار کی صورت میں ظاہر ہوا۔ شخصی سطح پر جنم لینے والے تصادمات یگانہ کو نمودِ ذات اور تعلیٔ ذات کی طرف دھکیل لے گئے۔ یوں یگانہ کے ذہنی تضادات نمایاں ہونے شروع ہوئے جس نے وراثتی عقیدے اور ذاتی عقیدے کی کشمکش کے نتیجے میں جنم لینے والی خوفناک صورت پکڑی۔ مجتبےٰ حسین کے لفظوں میں ''شعور کی سفاکی اور ظاہر داری سے یکسر محرومی یگانہ ہی کا روپ دھار سکتی تھی۔ یہی شخصیت جو ایک مخفی قوت رکھتی تھی منافقت اور ظاہر داری سے نفرت کرتی تھی۔'' 19 یگانہ ہر طرح کی تقلید، منافقت اور ظاہر داری سے بے زار تھے اور گوشہ گیری، قناعت، گدائی، سپردگی اور تسلیم و رضا کی تمام رسموں کے مخالف تھے۔ ان کے علاوہ جن قدیمی مظاہر کے خلاف انھوں نے کھل کر احتجاج کیا ان میں ریاکاری اور خبط مذہب سرفہرست ہیں۔ انکار یگانہ کی طبیعت کا خاصہ تھا ان کے دو اشعار دیکھئے۔

بندگی کا ثبوت دوں کیوں کر
اس سے بہتر ہے کیجیے انکار

چل پھر کے ذرا دیکھ جھجکتا کیا ہے
مل جائے گی راہِ راست گم راہ تو ہو

گویا ان کی فکر نے ایک ٹیڑھے پیچیدہ اور خطرناک راستے کا انتخاب کیا تھا۔ ان کے تخیل کی قوت خدا سے بھی ٹکرائی اور خدائی سے بھی۔ مذہب سے ان کا کبھی نباہ نہ ہو سکا۔ وہ مذہب کو آرٹ اور زندگی دونوں کا دشمن تصور کرنے لگے تھے۔ اس کی ایک وجہ تو وہی تھی کہ وہ سپردگی اور تسلیم و رضا کے قائل نہ تھے اور دوسری بڑی وجہ مذہب کو اپنے آہنی شکنجے میں کسنے والا خبط مذہب تھا۔

تشکیک کا رجحان تو غالب کے یہاں بھی ہے مگر یگانہ نے جس طرح مذہب کے بارے میں اپنے بعض تشکّکات کو طنزیہ اسلوب میں ڈھالا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خبطِ مذہب کو نشانہ بناتے بناتے مذہب اور اعتقادات کے بارے میں ناگوار طرز بیان تک پہنچ گئے تھے اور یہ سب کچھ یگانہ کی اس انتہا پسندانہ افتادِ طبع کی وجہ سے ہوا جسے خودستائی کے پردے میں شدید احساس محرومی اور ذہنی انتشار نے جنم دیا تھا اور وہ کہنے لگے تھے:

میں پیمبر نہیں یگانہ سہی
اس سے کیا کسرِ شان میں آئی

ان نتائج پر پہنچنے کے بعد یگانہ اور مذہب میں تصادم ہو گیا'' یگانہ کی عمر بھر کی سرکشی کو، جو ان کی

توانائی کا ایک بنیادی عنصر ہے مذہب سپردگی میں ڈھالنا چاہتا تھا۔ یگانہ کے لیے یہ ناقابل برداشت تھا۔ جس شخصیت کو انھوں نے شدید تنگ دستی، کسمپرسی اور کرب ناک تنہائی کے عالم میں محفوظ رکھا، جو ان کی سب سے بڑی متاع اور سب سے بڑا سہارا تھی، مذہب اسے نرمانے اور اپنانے پر تلا ہوا تھا۔ یگانہ اس ابلیسی متاع کو کسی قیمت پر کھونا نہیں چاہتے تھے۔'' ۲۰ یوں یگانہ کی تشکیک رفتہ رفتہ الحاد کے سانچے میں ڈھلتی گئی۔

بہرصورت مذہب سے یگانہ کی بے زاری کا محرک ان کا وہ ماحول تھا جس سے ان کا نباہ نہ ہوسکا تو وہ ماحول اور زمانے کی مسلمہ اقدار پر برس پڑے۔ ڈاکٹر فاخر حسین کے خیال میں'' کرید کر دیکھا جائے تو یگانہ کے کلام میں مذہب سے انحراف کے باوجود، مذہبی احساس ضرور کارفرما نظر آتا ہے یعنی یہ کہ مذہب سے بے زاری زیادہ ہے اور الحاد کم۔'' ۲۱

ڈاکٹر فاخر حسین اسے مذہبی توہمات پر عقلِ سلیم کا احتجاج قرار دیتے ہیں۔ تاہم یہ واقعہ ہے کہ یگانہ کے ذہنی انتشار نے انھیں رفتہ رفتہ تلخ کلامی، بدزبانی اور دریدہ دہنی تک پہنچادیا۔ اس وقت یگانہ کی عمر لگ بھگ ستر سال تھی جب ان کی منتشر ذہنی حالت کی پیداوار بعض تحریریں منظر عام پر آ گئیں جس کے نتیجے میں ان کی دماغی حالت کا لحاظ کئے بغیر مجتبےٰ حسین کے لفظوں میں'' ایک لشکر نے ان کے گھر پر یلغار کر دی اور پھر اس انسان نما شیطان کو گدھے پر بٹھایا گیا جوتوں کا ہار پہنایا گیا اس کا منہ کالا کیا گیا (روسیاہ تو پہلے ہی سے تھے) اور لکھنؤ کی سڑکوں پر اس کو پھرایا گیا۔'' ۲۲

یگانہ کی شخصیت اور کردار کا جائزہ اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک ان کے ذاتی محاسن، کردار کی صلابت، طرز معاشرت، استغنا، خودداری، لطف صحبت، شاعرانہ زندگی کے اطوار اور حقیقی زندگی کے معاملات میں ان کی دیانت داری اور ثابت قدمی جیسے پہلوؤں پر توجہ نہ دی جائے علاوہ ازیں بعض معاشرتی حیثیتوں میں جیسے بہ حیثیت انسان، بہ حیثیت خاوند، بہ حیثیت باپ، بہ حیثیت دوست، بہ حیثیت دشمن، بہ حیثیت شاگرد اور بہ حیثیت استاد ان کی مختلف النوع شخصیت کا احاطہ نہ کیا جائے۔

''یگانہ کی انفرادیت ان کے عزم واعتماد کا مظہر تھی اور یہی ان کا کردار تھا۔ ان کی شخصیت میں ایسی بات ضرور تھی جو دشمنوں اور دوستوں کو برابر متوجہ کرتی رہی اور وہ یگانہ لکھنوی ہونے کے 'جرم' میں دنیا بھر کی سزاؤں کے مستوجب ٹھہرے۔'' ۲۳

یگانہ کا رویہ اپنے اہل خانہ، اپنے احباب اور اپنے شاگردوں کے ساتھ یہ ظاہر کرتا ہے کہ محبت کے پھیلاؤ اور گہرائی پر ان کا ہمیشہ ایقان رہا۔ ان کی بہ ظاہر مردم بے زاری میں مردم گزیدگی کا پہلو ملتا ہے۔

ان کا تیز و تند لہجہ ان لوگوں کے لیے تھا جو ان کی یگانگت کو بے گانگی میں بدلنے کے درپے تھے۔ وہ زندگی سے الجھے ضرور ہیں مگر زندگی سے نفرت نہیں کرتے۔ ذاتی زندگی میں کردار کی مستقل مزاجی اور شخصیت کے منفرد تیور انھیں بتدریج یاس عظیم آبادی، مرزا یگانہ لکھنوی اور مرزا یگانہ چنگیزی کے قالب میں ڈھالتے چلے گئے اور یوں ان کا ایک روپ زہر خند مردانہ، سے علاج اہل ہوس کرتا دکھائی دیتا ہے تو دوسرا روپ جراح کے ہاتھ میں نشتر کا جواز فراہم کرتا ہے۔

حواشی

۱ بہ حوالہ، روایات فلسفہ صفحہ ۳۲، مصنف علی عباس جلالپوری، مطبوعہ الشال لاہور، دسمبر ۱۹۶۹ء

۲ بہ حوالہ، ''اپنا کیریکٹر''، بیاض یگانہ، مملوکہ بلند اقبال صفحہ ۸۴

۳ بہ حوالہ، انتظار حسین کا کالم ''باتیں اور ملاقاتیں'' روزنامہ مشرق'' لاہور (ادبی ایڈیشن) صفحہ ۸ اشاعت، ۱۰ فروری ۱۹۸۱ء

۴ Group psychology and the Analysis of Ego Translated by James Strachy, page 42. First published in English 1922 Fifth Edition London the Hogarth press.

۵ بہ حوالہ، میرزا یگانہ چنگیزی حیات اور شاعری صفحہ ۵۳، مطبوعہ اردو پبلشرز، لکھنؤ، ۱۹۸۰ء

۶ بہ حوالہ، اردو شاعری کا مزاج، صفحہ ۲۶۸، مطبوعہ جدید ناشرین لاہور مئی ۱۹۶۵ء

۷ بہ حوالہ، 'نیرنگ خیال' صفحہ ۷۱، لاہور جولائی ۱۹۶۷ء

۸ بہ حوالہ، وہ صورتیں الٰہی صفحہ ۱۵۷ مطبوعہ مکتبہ اردو ادب، لاہور طبع دوم ۱۹۸۳ء

۹ راہی معصوم رضا نے اپنی کتاب ''یاس یگانہ'' چنگیزی'' مطبوعہ شاہین پبلشرز، الہ آباد، اگست ۱۹۶۷ء میں رضا انصاری مدیر رسالہ 'اکادمی' لکھنؤ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''فرنگی محل میں یگانہ اپنا کلام سنا رہے تھے جب انھوں نے یہ شعر پڑھا:

چت بھی اپنی ہے پٹ بھی اپنی ہے
میں کہاں ہار ماننے والا
(صفحہ ۴۹)

تو رضا صاحب نے اس شعر کی تعریف کی۔ یگانہ پڑھتے پڑھتے رک گئے اور لالٹین اٹھا کر رضا صاحب کے قریب آئے اور انھیں غور سے دیکھنے لگے۔

۱۰ بہ حوالہ، ڈاکٹر تارا چند رستوگی کا مضمون ''غالب کومپلیکس اور یگانہ'' مطبوعہ 'اردو ادب' نئی دہلی شمارہ (۱) (۲) صفحہ ۱۱۶، ۱۹۸۲ء

۱۱ بہ حوالہ، یگانہ کا خط بنام شعلہ محررہ ۱۷ اگست ۱۹۴۵ء، مطبوعہ تخلیقی ادب (۲) صفحہ ۴۸۴ یگانہ نے لکھا تھا ''ارے

میاں اب لکھنؤ اور غالب کے معاملے کو کیا تازہ کرو گے وہ دونوں بت ٹوٹ چکے دونوں مقدمے فیصل ہو کر مثلیں داخل دفتر ہو چکیں۔''

۱۲۔ بہ حوالہ، مجتبےٰ حسین کا خط بنام راقم محررہ ۲۷ جون ۱۹۲۵ء۔

۱۳۔ بہ حوالہ یگانہ کا اپنے بارے میں مضمون ''میرزا یگانہ چنگیزی'' مطبوعہ آج کل دہلی، صفحہ ۳۴، ۱۵ ستمبر ۱۹۴۳ء۔

۱۴۔ بہ حوالہ، مضمون ''یگانہ بیگانہ'' مطبوعہ فنون لاہور، صفحہ ۲۲۷، جنوری ۱۹۶۴ء۔

۱۵۔ ایضاً صفحہ ۲۳۰۔

۱۶۔ بہ حوالہ، تاثرات وتعصبات صفحہ ۱۸۔۱۹ مطبوعہ شعبہ تحقیق واشاعت مدرسہ عالیہ ڈھاکا طبع اول دسمبر ۱۹۶۲ء۔

۱۷۔ A History of Urdu Litrature, Page 509, Oxford University Press Karachi Second Edition 1985.

۱۸۔ بہ حوالہ، نیم رخ صفحہ ۱۷ مطبوعہ پاک پبلشرز لمیٹڈ کراچی، فروری ۱۹۷۸ء۔

۱۹۔ یگانہ نے پوری غزل بلند اقبال (بنت یگانہ) کے نام خط محررہ ۲۴ جولائی ۱۹۴۲ء میں درج کی تھی مذکورہ شعر کے حوالے سے یگانہ نے لکھا تھا ''مذہب کے بعض حقائق پر میں نے جو کچھ اظہار خیال کیا ہے آئندہ کوئی پیغمبر پیدا ہوگا تو میرے ہی خیالات کی تبلیغ کرے گا خواہ میرے خیالات بالواسطہ اوس تک پہنچیں یا خود اوس کے دل میں پیدا ہوں۔'' (اصل خط بلند اقبال کی ملکیت ہے)۔

۲۰۔ بہ حوالہ، نیم رخ صفحہ ۵۵۔۵۶۔

۲۱۔ بہ حوالہ، ''یگانہ بیگانہ'' فنون لاہور جنوری ۱۹۶۴ء صفحہ ۲۳۳۔

۲۲۔ بہ حوالہ، نیم رخ صفحہ ۵۶۔۵۷۔

۲۳۔ بہ حوالہ، ابوالفضل صدیقی کا غیر مطبوعہ مضمون ۲۔

فہرستِ اسنادِ محولہ:

۱۔ ''تاثرات وتعصبات''، ڈھاکا شعبۂ تحقیق واشاعت مدرسہ عالیہ، طبع اول، ستمبر ۱۹۶۲ء۔

۲۔ جعفر حسین، ''مرزا نسیم رخ''، کراچی، پاک پبلشرز، فروری ۱۹۷۸ء۔

۳۔ جلال پوری، علی عباس، ''روایات فلسفہ''، لاہور، المثال، دسمبر ۱۹۶۹ء۔

۴۔ راہی، معصوم رضا، ''پاس یگانہ، چنگیزی'' الہٰ آباد، شاہین پبلشرز، اگست ۱۹۶۷ء۔

۵۔ عظیم آبادی، ضیاء، ''مرزا یگانہ چنگیزی، حیات اور شاعری''، لکھنؤ، اُردو پبلشرز، ۱۹۸۰ء۔

۶۔ مالک رام، ''وہ صورتیں الٰہی''، لاہور، مکتبہ اردو ادب، طبع دوم، ۱۹۸۳ء۔

۷۔ وزیر آغا، ''اردو شاعری کا مزاج''، لاہور، جدید ناشرین، مئی ۱۹۶۵ء۔

۸۔ "A history of Urdu Literature", Oxford University Press Karachi, Second Edition, 1985.

۹۔ Group Psychology and the analysis of Ego" Translated by James Strachy, First Edition in English 1922, Fifth Edition London the Hogarth Press.

مکتوبات

۱۔ بنت یگانہ کے نام از یگانہ، محررہ ۲۴ جولائی ۱۹۴۲ء۔
۲۔ مجتبیٰ حسین کا خط بنام راقم، محررہ ۲۷ جون ۱۹۲۵ء۔
۳۔ یگانہ کا خط بنام شعلہ، محررہ ۱۷ اگست ۱۹۴۵ء۔

رسائل و جرائد

۱۔ ماہ نامہ ''آج کل''، دہلی، ۱۵ ستمبر، ۱۹۴۳ء۔
۲۔ سہ ماہی ''اردو ادب''، نیو دہلی، شمارہ ۱، ۲، ۱۹۸۲ء۔
۳۔ سہ ماہی ''خبر نامہ اتر پردیش، اردو اکادمی، جنوری فروری ۱۹۸۵ء۔
۴۔ ماہ نامہ ''ساقی''، اپریل، مئی ۱۹۳۴ء۔
۵۔ سہ ماہی ''فنون''، لاہور، جنوری، ۱۹۶۴ء۔
۶۔ روزنامہ ''مشرق''، لاہور، ادبی ایڈیشن، ۱۰ فروری ۱۹۸۱ء۔
۷۔ ماہ نامہ ''نیرنگ خیال''، لاہور، جولائی ۱۹۶۷ء۔

غیر مطبوعہ

۱۔ ابوالفضل صدیقی کا غیر مطبوعہ مضمون۔

0 ------- 0